اِسلام کا شُورائی نظام

از جناب پروفیسر محمد یوسف فاروقی صاحب

یہ بات ماہرین عمرانیات کے ہاں مسلم ہے کہ انسان طبعاً اجتماعیت پسند ہے، بلکہ یوں کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ انسان کا وجود ہی اجتماعیت کا مرہونِ منت ہے، جب کچھ افراد مل جل کر رہتے ہیں تو لازمی طور پر زندگی کے معاملات میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرتے ہیں۔ پریشانیوں میں ایک دوسرے کا ہاتھ بٹاتے ہیں اور مشکلات دُور کرنے میں مدد کرتے ہیں۔ اسی طرح خوشی و مسرت کے مواقع پر بھی ایک دوسرے کی خوشیوں میں شریک ہوتے ہیں۔ قدیم دَور سے یہ دستور چلا آرہا ہے۔

جوں جوں انسانی تمدن ترقی کرتا گیا، انسانی شعور کو جلا ملتی رہی، تجربات میں وسعت اور علم و فکر میں گہرائی پیدا ہوئی تو اسی اعتبار سے اجتماعیت پیدا ہوتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ انسانی معاشرہ خاندانی قبائلی اور علاقائی نظام کے مدارج طے کرتا ہوا قومی اور ملّی نظام کی انتہائی ترقی یافتہ تنظیم میں داخل ہوگیا۔ اسی اجتماعی نظم کی بدولت دُنیا میں منظم معاشرتی ادارے، بڑی بڑی سلطنتیں اور حکومتیں قائم ہوتی رہیں۔

انسانی تنظیم اور اجتماعیت کا تمام تر دارومدار لوگوں کے باہمی اعتماد و تعاون پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے معاشرتی تنظیم کے لیے ایسے اصول مرتب کر دیے ہیں، جو پُرخلوص اعتماد کی فضا کو بحال کر کے لوگوں کو باہمی تعاون پر آمادہ کرتے ہیں۔ ان اصولوں میں ایک اہم ترین اُصول "شورٰی" ہے۔ یہ اُصول مُسلم معاشرہ کے چھوٹے بڑے تمام اداروں میں کارفرما رہتا ہے۔ قرآن و سنّت نے مسلمانوں کے اجتماعی معاملات میں مشورہ کو واجب قرار دیا ہے۔ مسلمانوں کے تمام ادارے شورائی نظم کے تحت کام کرنے کے پابند ہیں، خواہ وہ معاشرتی ادارے ہوں یا اقتصادی یا سیاسی۔

قرآن و سنّت میں انسانی زندگی سے متعلق بہت سے احکام واضح طور پر بیان کر دیے گئے ہیں۔

حقوق اللہ کے متعلق تفصیلات بھی مہیا کر دی گئی ہیں، حقوق العباد سے متعلق بھی جامع ہدایات ملتی ہیں۔ لیکن اُمّتِ مسلمہ کی اجتماعی زندگی سے متعلق اُصولی ہدایات دے کر آزاد چھوڑ دیا گیا ہے تاکہ اُن حدود میں رہتے ہوئے ہر دور اور ہر علاقہ میں اپنی ضروریات اور حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے تفصیلات طے کر لی جائیں، خاص طور پر نظمِ مملکت اور سیاسی نظم سے متعلق تفصیلات اور فروعی احکام شریعت نے طے نہیں کیے، بلکہ اس قسم کے تمام معاملات کے لیے معاشرے کو شورائی نظم کا پابند کر دیا ہے۔

قرآنِ حکیم نے شورائی نظم کا دو جگہ ذکر کیا ہے۔ پہلے اس کا حکم مکی زندگی میں سورۂ شوریٰ میں نازل ہوا۔ یہ مکی دور کا آخری زمانہ تھا جب مسلمان ایک جماعت اور تنظیم کی صورت اختیار کر رہے تھے۔ لہٰذا اُنہیں بنیادی عبادات کے ساتھ ساتھ اُن ضروری ہدایات سے بھی مطلع کیا جا رہا تھا جن کی انہیں اجتماعی نظم کے لیے ضرورت تھی۔ سورۂ شوریٰ کی آیت ۳۸ میں شوریٰ کا ذکر ہے لیکن اس کی اہمیت اور صحیح مفہوم سمجھنے کے لیے آیت نمبر ۳۷ سے مطالعہ ضروری ہے جہاں سے مضمون کا آغاز ہوتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ۚ وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۠ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۔

(ترجمہ) اور وہ بچتے ہیں بڑے گناہوں اور کھلی بے حیائیوں سے، اور جب غصہ ہوتے ہیں تو معاف کر دیتے ہیں۔ اور جنہوں نے اپنے رب کی دعوت پر لبیک کہا، اور نماز کا اہتمام کیا اور اُن کا نظام شوریٰ پر ہے اور جو کچھ ہم نے اُن کو رزق بخشا ہے اُس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ (الشوریٰ ۳۷، ۳۸)

پہلی آیت میں گناہ کبیرہ، فواحش اور غصہ کی حالت میں بے قابو ہو کر اعتدال سے تجاوز کر جانے یا اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدود سے باہر نکل جانے کی ممانعت ہے۔ اگلی آیت میں اہلِ ایمان کے ان اوصاف کا ذکر ہے جو اُن کے دین کا لازمی حصہ ہیں مثلاً اقامتِ صلوٰۃ اور انفاق فی سبیل اللہ۔ اس آیت مبارکہ میں دین کے دو بنیادی ارکان اقامتِ صلوٰۃ اور انفاق فی سبیل اللہ کے درمیان نظمِ شوریٰ کو بیان کیا ہے جس سے اُس کی اہمیت واضح ہو رہی ہے۔

اِس آیت کی تفسیر میں مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے ایک خوبصورت نکتہ بیان کیا ہے۔

وہ یہ کہ قرآنِ حکیم کا معروف اسلوب تو یہ ہے کہ اقامتِ صلوٰۃ کے ساتھ زکوٰۃ یا انفاق کا ذکر کرتا ہے۔ لیکن یہاں معروف طریقہ کے خلاف اقامتِ صلوٰۃ اور انفاق کے درمیان شوریٰ کا ذکر کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نماز کی صورت میں ہمارا پورا نظم اجتماعی متشکل کر کے دکھایا ہے اور اس آیت کے اسلوب میں یہ بتایا ہے کہ ہم اپنی سیاسی تنظیم میں بھی اسی نمونہ کی پیروی کریں۔ اور اسی طریقے سے اللہ تعالیٰ کے دین کی اقامت کے لیے اپنی تنظیم کریں، اپنے اندر سے سب سے اہل اور صاحب علم و تقویٰ کو اپنی قیادت کے لیے منتخب کریں۔ پھر تمام معروف میں بے چون و چرا اُس کی اطاعت کریں اور اگر اس سے کوئی ایسی بات صادر ہو جو شریعت کے معروف کے خلاف ہو تو بے خوفِ لومۃ لائم اس کو متنبہ کر کے اُس کو صحیح راہ پر لانے کی کوشش کریں۔[۱]

حافظ ابن کثیر جو نہ صرف مفسر و محدث تھے بلکہ فقہ پر بھی گہری نظر رکھتے تھے اور شافعیؒ مدرسۂ فکر کے عظیم فقیہہ تھے، اس آیت کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

أی لا یُبرِمُونَ أمراً حتّٰی یَتَشَاوَرُوا فِیهِ لِیَتَسَاعَدُوا بِآرَائِهِم

یعنی یہ لوگ کوئی قطعی فیصلہ اُس وقت تک نہیں کرتے جب تک باہمی مشورہ نہ کر لیں تاکہ سب لوگوں کی آرا سے تقویت حاصل ہو۔[۲]

"لَا یُبرِمُونَ أمرًا" کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن کثیر کی رائے میں کسی بھی معاملہ میں بھی کوئی قطعی فیصلہ مشورہ کے بغیر نہیں کیا جاتا ہے۔ ابوحیان شوریٰ کے تین فوائد کا ذکر کرتے ہیں۔ اجتماع الکلمۃ، والتحاب، والتعاضد علی الخیر۔ یعنی باہمی اتفاق، محبت اور مصالح کے کاموں میں ایک دوسرے کی بھرپور مدد۔ ان تین فوائد کا ذکر کرنے کے بعد وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے عمل کو بتاتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے بعد خلفاء معاملاتِ زندگی سے متعلق فیصلے مشورہ سے کرتے تھے۔ صحابہ کرام تو ان احکام میں جن کے بارے میں قرآن و سنت میں کوئی واضح حکم نہیں ملتا وہ بھی مشورہ سے طے کرتے تھے، مثلاً قتلِ مرتد، حربی کی میراث

[۱] امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، ج ۶ ص ۱۷۹، ۱۸۰۔

[۲] ابن کثیر، اسماعیل بن عمرو، تفسیر القرآن العظیم، ج ۴ ص ۱۱۸۔

اور شراب نوشی پر کوڑوں کی تعداد وغیرہ۔[1]

امام رازی بھی اس آیت کی تفسیر میں مشورہ کی اہمیت کا ذکر کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کا اس پر اتفاق تھا کہ مشورہ ضرور کیا جائے، وہ صحابہ کرام کا عمل یہ بتاتے ہیں:۔

لا یفردون برائ بل ما لم یجتمعوا علیہ لا یقدمون علیہ

یعنی وہ انفرادی رائے کو اہمیت نہیں دیتے تھے، عمل درآمد نہیں کرتے تھے۔[2]

ابو السعود العمادی حنفی مرحوم بھی اس آیت کی تفسیر میں یہی لکھتے ہیں کہ صحابہ کرام اس بات پر متفق تھے کہ انفرادی رائے کے بجائے اجتماعی فیصلے کیے جائیں۔[3]

جصاص اس آیت مبارکہ کے اسلوب بیان کی طرف توجہ دلاتے ہیں اور یہ فیصلہ صادر فرماتے ہیں کہ "ویدل علی انہا ماموروں بہا"۔ یعنی (قرآنِ حکیم کا) یہ اسلوب دلالت کر رہا ہے کہ یہ لوگ مشورہ کے لیے مامور تھے۔[4]

علامہ آلوسی مرحوم اور شوکانی مرحوم بھی اسی قسم کے خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔[5]

ہم نے تمام مفسرین کرام کی آراء و تفاسیر کا سورۂ شوریٰ کی آیت نمبر ۳۸ کے بارے میں ذکر کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابۂ کرام کا نظمِ شوریٰ پر اجماع ہے اور یہ اجماع قرآنِ حکیم کی تعلیم کے عین مطابق ہے۔

مکی دور کے آخیر میں جب یہ حکم نازل ہوا اُس وقت مسلمان ایک جماعتی تنظیم کے حیثیت سے اُبھر آئے تھے۔ یہ تنظیم مکہ مکرمہ کے اس قبائلی نظام سے مختلف تھی جس میں مضبوط خاندانوں کو نمایاں حیثیت

---

[1] ابو حیان، اثیر الدین، ابو عبداللہ، البحر المحیط جلد ۷، ص ۵۲۲۔

[2] الفخر الرازی، التفسیر الکبیر جلد ۲۷ ص ۱۷۷۔

[3] السعود، محمد بن محمد العمادی، ارشاد العقل السلیم الی مزایا القرآن الکریم جلد ۵ ص ۳۶۔

[4] ابوبکر جصاص، احکام القرآن جلد ۳ ص ۴۰۵

[5] آلوسی، سید محمد شکری، روح المعانی جلد ۲۵ ص ۴۶ تا ۴۷ ۔ اور الشوکانی محمد بن علی بن محمد، فتح القدیر جلد ۴ ص ۔

حاصل ہوتی ہے۔ مسلمانوں کی تعداد ابھی چند سو تھی، اُن کے لیے کلمۂ جامعہ صرف اسلام تھا۔ دین کی بنیاد پر اس اتحاد و یگانگت کی قوت نے اہلِ قریش کے لیے بہت سی مشکلات اور اُلجھنیں پیدا کر دی تھیں۔ پہلے حبشہ میں مسلمانوں کا اجتماع اور پھر وہاں مملکتِ مکّہ کی سفارت کی ناکامی نے اہلِ مکّہ کو خاصا بوکھلا دیا تھا۔ قریش نے خاندانِ بنو ہاشم کا معاشرتی مقاطعہ کیا۔ اس مقاطعہ سے بھی وہ مقاصد حاصل نہ کر سکے جو وہ چاہتے تھے۔ دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ دین کے کام کے ساتھ بیرونی وفود کے ساتھ بھی رابطے قائم کرنا شروع کر دیے تھے اور اُن کے ساتھ دفاعی و سیاسی معاہدات کے لیے مذاکرات کر رہے تھے۔ اس دور میں اُمتِ مسلمہ عرب معاشرہ میں ایک اجتماعی و سیاسی شکل میں منظم ہو رہی تھی۔ اور اس ملّت کا ہر فرد اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے بھرپور کردار ادا کرنے کے لیے پوری طرح تربیت پا چکا تھا۔ اُس وقت انہیں اس بات کا پابند کر دیا گیا کہ اب اجتماعی معاملات باہمی مشورہ سے طے کر کے اُن پر عمل درآمد کریں۔

دوسری آیت سورۂ آلِ عمران کی ہے۔ آیت یہ ہے:۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ ۖ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۖ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ۔

(ترجمہ) یہ اللہ کا فضل ہے کہ آپ اُن کے لیے نرم خو ہیں۔ اگر آپ درشت خو اور سخت دل ہوتے تو آپ کے پاس سے یہ منتشر ہو جاتے۔ سو ان سے درگذر کرو، اُن کے لیے مغفرت چاہو، اور معاملات میں اُن سے مشورہ لیتے رہو۔ پس جب تم فیصلہ کر لو تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے اوپر بھروسہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

(آلِ عمران ـ ۱۵۹)

یہ سورۂ مبارکہ مدنی دَور میں نازل ہوئی، اس سورہ کا آخری حصّہ جس میں مشورہ کا حکم ہے۔ اس کا زمانۂ نزول غزوۂ احد کے بعد کا زمانہ ہے۔ جنگِ اُحد شوال ۳ھ میں لڑی گئی۔ اس موقع کی صورتِ حال یہ ہے کہ مسلمان مدینہ منورہ میں ایک اسلامی مملکت قائم کر چکے ہیں، مسلمانوں میں باہمی جذبۂ اخوت و محبّت پوری طرح مستحکم ہے، اُن کے عقائد راسخ ہیں، اور اعلیٰ اخلاقی اقدار کی وجہ سے انہیں برتری

حاصل ہے۔ اُدھر کفار جنگ بدر میں شکست کھا چکے تھے۔ غزوۂ اُحد میں انہیں کچھ کامیابیاں بے شک حاصل ہوئی تھیں، لیکن مسلمانوں کے عزائم بلند تھے، انہوں نے حمراء الاسد تک کفار کا تعاقب کر کے انہیں یہ احساس دلایا تھا کہ حقیقت میں مسلمانوں کو شکست نہیں ہوئی۔ یہودیوں کے ایک قبیلہ بنو قینقاع کو اُس کی بدعہدی کی وجہ سے سرزمینِ مدینہ سے نکال دیا گیا تھا۔ مدینہ منورہ کے اطراف میں آباد بعض قبائل سرکشی اور بغاوت پر آمادہ تھے۔ اِن بغاوتوں کو ختم کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مقامات پر لشکروں کو روانہ فرمایا تھا جو دشمنوں کے ساتھ برسرِ پیکار تھے۔

یہ وہ دَور ہے جب نقشۂ عالم پر ایک اسلامی مملکت کے نقوش اُبھر رہے تھے۔ اسلام کے غلبہ اور اس کی صداقت کے آثار اتنے نمایاں ہو چکے تھے کہ اہلِ کتاب کے لیے کھُل کر مخالفت کرنا ممکن نہیں رہا تھا۔ قریشِ مکہ اور عرب کے دیگر مشرک قبائل بھی یہ محسوس کرنے لگے تھے کہ مسلمانوں کو ختم کرنا کوئی معمولی یا آسان کام نہیں۔ اِن حالات میں بعض انتظامی اور سیاسی معاملات میں رہنمائی کے لیے احکام نازل ہوئے۔ اسی سلسلہ کی ایک آیت یہ ہے جسے ہم نے اُوپر ذکر کیا ہے۔

اِس آیت کی تفسیر میں علامہ نیشاپوری مرحوم (۷۲۸ھ) نے بہت سے اہم علمی نکات بیان کیے ہیں۔ ہم یہاں اُن کا خلاصہ بیان کر رہے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ساری امت میں سب سے زیادہ علم والے اور فکر و نظر کے اعتبار سے سب سے بہتر تھے۔ لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انہیں صحابہ کرام سے مشورہ کرنے کا حکم دیا۔ اس کے بہت سے فوائد تھے، مثلاً یہ کہ اس سے خود صحابہ کرام کی عظمت و اخلاص اور بلندیٔ مرتبت کا اظہار ہوتا ہے۔

انسانی علوم متناہی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کے دل و دماغ میں جو بات آئے وہ دوسروں کے دل میں نہ آئے، مشورہ کر کے سب کی رایوں سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

حضرت حسن اور سفیان بن عُیینہ فرماتے ہیں کہ اگرچہ رسول اللہ کو مشورہ کی کوئی خاص ضرورت نہ تھی۔ لیکن انہیں اس لیے مشورہ کا حکم دیا گیا تھا کہ آپ کی زندگی بعد والوں کے لیے اُسوۂ حسنہ قرار دی گئی ہے۔

غزوۂ اُحد میں اگرچہ لوگوں نے مشورہ دینے میں غلطی کی تھی، لیکن اس کے باوجود مشورہ کا

حکم باقی رہا تاکہ انہیں معلوم ہو کہ رسول اللہ کے دل میں اس واقعہ کا کوئی اثر نہیں ہے۔

مشورہ سے لوگوں کے علم اور فکر کی گہرائی کا بھی اندازہ ہو جاتا ہے، تاکہ پھر اُن کے سامنے اُن کے علم و فکر کے مطابق سلوک کیا جا سکے۔

ایک فائدہ یہ ہے کہ پاکیزہ نفوس اور صالح رائے میں عملی تطابق ہو جاتا ہے جو حصولِ مقصد میں کامیابیوں سے ہم کنار کرتا ہے۔ اسی لیے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے " ما تشاور قوم قط الّا هُدوا لارشد امرهم " لوگ جب باہمی مشورہ سے کام کرتے ہیں تو انہیں ضرور صحیح راستہ کی رہنمائی ہوتی ہے۔ جمعیت و تنظیم کا سارا راز اسی میں پوشیدہ ہے[1]

ابوحیان اندلسی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ رسول اللہ کو مشورہ کرنے کا حکم اس لیے دیا گیا تھا کہ باہمی مشاورت کو قانونی حیثیت حاصل ہو جائے اور آپ کے بعد لوگ ان تمام معاملات میں جہاں وحی خاموش ہے رائے اور مشورہ سے عمل کریں[2]

(باقی)

---

[1] حسن بن محمد، نظام الدین، نیشاپوری - غرائب القرآن و رغائب الفرقان جلد ۴ ص ۱۰۸ -

[2] ابوحیان، محمد بن محمد - اسیر الدین البحر المحیط جلد ۳ ص ۹۸

احتیاط

ترجمان القرآن میں ضرورتِ استدلال کے لیے آیات و احادیث شائع ہوتی رہتی ہیں - قارئین سے گزارش ہے کہ جن اوراق پر آیات و احادیث ہوں - ان کا خاص احترام ملحوظ رکھیں تاکہ بے ادبی نہ ہونے پائے۔

ادارہ